پاک افغان سرحد پر کشیدگی کا شاخسانہ

ڈاکٹر محمد اقبال خلیل ○

نومبر ۱۸۹۳ء میں ہندستان پر قابض برطانوی استعمار کے نمایندے وزیر امور خارجہ مارٹیمر ڈیورنڈ اور امیر افغانستان عبدالرحمٰن خان کے درمیان تین ماہ سے جاری خفیہ مذاکرات کے بعد دونوں حکومتوں کے درمیان ایک مستقل معاہدہ ہوا۔ جس میں ہندستان اور افغانستان کے مابین شمال مغربی سرحد کا تعین ہوا۔ ۲ ہزار ۶ سو ۴۰ کلومیٹر طویل اس سرحد کو خط ڈیورنڈ (Durand Line) کہا جاتا ہے۔ اس کے مطابق: واخان کافرستان کا کچھ حصّہ نورستان، اسمار، موہمند لال پورہ اور وزیرستان کا کچھ علاقہ افغانستان کا حصّہ قرار پایا۔ افغانستان: استانیہ، چمن، نوچغائی، بقیہ وزیرستان، بلند خیل، کرم، باجوڑ، سوات، دیر، چلاس اور چترال پر اپنے دعوے سے معاہدے کے مطابق دستبردار ہوگیا۔

۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو جب پاکستان برطانیہ سے آزاد ہوا تو دیگر تمام معاہدوں کے ساتھ یہ معاہدہ بھی برقرار رہا، لیکن بعد میں افغان حاکم ظاہر شاہ کے دور میں کابل کی حکومت نے خط ڈیورنڈ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اور دعویٰ کیا کہ دریائے اٹک تک کا علاقہ، افغانستان کا حصّہ ہے۔

اسی بنیاد پر حکومت افغانستان نے اقوام متحدہ میں پاکستان کی رکنیت کی مخالفت کی تھی اور بعد میں ان علاقوں کو پختون آبادی کی بنیاد پر 'پختونستان' قرار دے کر اس کی آزادی کا مطالبہ کرتے رہے اور پاکستان میں مقیم قوم پرست حلقے بھی ان کے ہمنوا رہے۔ اس کے بعد کمیونسٹ حکمرانوں اور دیگر اَدوار میں بھی یہ معاہدہ برقرار رہا، لیکن افغانستان کی جانب سے حل طلب ہے، جب کہ پاکستان اور تمام بین الاقوامی اداروں نے اس کو پاک افغان سرحد کے طور پر قبول کیا ہے۔

یہ پس منظر بیان کرنا اس لیے ضروری ہے کہ جب بھی پاک افغان سرحد پر تناؤ کی کیفیت

○ چیئرمین انسٹی ٹیوٹ آف ریجنل اسٹڈیز، پشاور

پیدا ہوتی ہے، تو افغانوں کے اس ذہنی پس منظر کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ جب ۲۰۲۱ء میں امارت اسلامی افغانستان بحال ہوئی، تو بجا طور پر پاکستانی عوام نے ان سے کئی توقعات وابستہ کیں۔ اس سے پہلے کے دورحکومت میں (۱۹۹۶ء-۲۰۰۱ء) طالبان اور پاکستان کے مابین نسبتاً خوش گوار تعلقات کار تھے۔ پاکستان نے ان کی حکومت کو رسمی طور پر تسلیم بھی کیا تھا،لیکن سرحد کے حوالے سے کوئی پیش رفت نہیں کی گئی تھی۔ آج، اس وقت بھی افغانستان میں طالبان کی عبوری حکومت قائم ہے،لیکن اس کو پاکستان سمیت کسی بھی ملک نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ اس لیے ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنے طور پر اس متنازعہ فیہ مسئلے کو حل کریں گے، ممکن نہیں۔ ابھی باڑ (Fence) لگانے کے مسئلے پر چمن بارڈر پر جو افسوس ناک واقعات پیش آئے ہیں، وہ اسی مسئلے کا شاخسانہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی افغانستان اور پاکستان کے درمیان جو تاریخی گزرگاہیں ہیں ان پر شہریوں کی آمدورفت کے حوالے سے کئی مسائل ہیں، جس کی بارہا نشاندہی کی جاچکی ہے،لیکن پاکستانی حکومت نے اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کی ہیں۔ بین الاقوامی سرحد پر آمدورفت کے لیے جو معیاری سہولتیں فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، وہ بھی پوری نہیں کی ہیں۔ رشوت دے کر پار کرنے کا سلسلہ جاری ہے جس کی وجہ سے عملے کے درمیان تلخی بھی تنازعات کا باعث بنتی ہے۔

لیکن پاکستان کے عوام کے لیے زیادہ اہم اور سنگین مسئلہ ملک میں 'تحریک طالبان پاکستان' (TTP) کی روز افزوں دہشت گردی ہے، ان کا خاص ہدف پولیس کے اہل کار ہیں، ان کی چیک پوسٹوں پر متعین سپاہیوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے، جب کہ پاکستان کی مسلح افواج کی گاڑیوں کو بھی ریموٹ کنٹرول بموں سے اڑایا گیا ہے۔ صرف ۲۰۲۲ء میں تخریب کاری کے ۳۲۶ واقعات ہوچکے ہیں، جن میں ۳۵۲/افراد جاں بحق ہوچکے ہیں۔ ان میں ۶۴ پولیس اہلکار، ۵۰ فوج کے جوان اور ۲۲۴ عام شہری شامل ہیں۔ ٹی ٹی پی نے ۲۰۲۰ء میں جس سیز فائر کا اعلان کیا تھا، اس کو ختم کرنے کا باقاعدہ اعلان کیا ہے اور مذاکرات کا عمل بھی ختم ہو چکا ہے۔ بدقسمتی سے ان تخریبی سرگرمیوں کا مرکز صوبہ خیر پختونخوا بن چکا ہے۔ خاص طور پر قبائلی اور جنوبی اضلاع میں کارروائیاں عروج پر ہیں۔ گذشتہ ہفتے لکی مروت اور بنوں میں بڑے واقعات ہو چکے ہیں، جن میں پولیس اور 'ان کاؤنٹر ٹیررازم ڈیپارٹمنٹ' (CTD) کی چوکیوں اور مراکز کو نشانہ بنایا اور بنوں میں مرکز تفتیش

میں بڑی تعداد میں عسکری و دیگر اداروں کے اہلکاروں کو یرغمال بنایا گیا۔لیکن کمانڈو ایکشن کے ذریعے یہ کوشش ناکام بنادی گئی۔

بدقسمتی کی بات ہے کہ ان واقعات کی روک تھام کا فی الحال کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ دوسری طرف مذاکرات کا کوئی سرا بھی حکومت کے ہاتھ میں نہیں ہے۔افغان طالبان کی ایما پر حکومت پاکستان اور طالبان تحریک کے درمیان مذاکرات کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔یہ مذاکرات دراصل پاکستانی فوج اورٹی ٹی پی کے مابین ہورہے تھے، جن میں قبائلی عمائدین اور بعض علمائے کرام کو واسطہ بنایا گیا تھا۔لیکن پاکستانی طالبان کے مطالبوں کوتسلیم کرنا ریاست پاکستان کے لیے ممکن نہیں تھا۔ملکی سیاست میں جو دنگل اس وقت چل رہا ہے، اس میں سیاسی قیادت اس قابل بھی نہیں ہے کہ وہ افغان اُمور پر سنجیدگی سے غور وفکر کر کے اہم فیصلے کرسکے۔

اس دوران افغانستان میں امارت اسلامی نے ایک چونکا دینے والا فیصلہ کر کے پوری دنیا کو حیرت زدہ کر دیا ہے۔ عالمی سطح پر امارت اسلامی افغانستان کو سفارتی طور پر تسلیم نہ کرنے کے غیر منصفانہ رویے پر افغان قیادت کا ردعمل ایک عجیب وغریب اقدام کی صورت میں سامنے آیا ہے۔امارت اسلامی کی وزارت اعلیٰ تعلیم کے عبوری وزیر مُلّا نداا حمد ندیم نے امیر مُلّا ہیبت اللہ کی ہدایت پر افغانستان میں بچیوں کی اعلیٰ تعلیم پر پابندی کا حکم نامہ جاری کر دیا۔اس سے پہلے ساتویں درجے سے لے کر ۱۲ویں کلاس تک پابندی عائد کی گئی تھی، جس پر اکثر ولایتوں میں عمل درآمد جاری تھا۔اب تمام سرکاری اور نجی یونی ورسٹیوں اور پیشہ ورانہ کالجوں کی گریجویٹ کلاسوں کی طالبات پر بھی تعلیم کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔اس اقدام کی مذمت میں یورپی اور مغربی ممالک اور بین الاقوامی اداروں کے ساتھ ساتھ مسلم ممالک کی حکومتوں نے بیانات جاری کیے ہیں۔ہم نے ترجمان (ستمبر ۲۰۲۲ء) میں اس موضوع پر اسی خدشے کا اظہار کیا تھا اور بعض مغربی ممالک کے سفارت کاروں سے ملاقاتوں میں، ان پر زور دیا تھا کہ وہ افغانستان کو تنہا کرنے کی کوشش ترک کرکے ان کو بین الاقوامی برادری کا حصّہ بنائیں، تاکہ وہاں کے عوام کو زندگی کی بنیادی سہولتیں میسر آئیں۔اب بھی وقت ہے کہ پاکستان سمیت مسلم اور پڑوسی ممالک افغانستان کو تسلیم کرکے افغان عوام کو ریلیف پہنچائیں اور غیر صحت مند اقدامات کو مکالمے کے ذریعے درست سمت دے سکیں۔